ہارر سیریز

محمد شعیب

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

یُوحٰی

محمد شعیب

چھٹی کہانی

سالگیرہ کا دن ہر ایک کے لئے خوشیوں کا پیام بر ثابت ہوتا ہے مگر میرے لئے کسی انہونی سے کم نہیں تھا بلکہ اگر وہ سالگیرہ کا دن میری زندگی سے نکال دیا جاتا تو میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا۔۔ مگر افسوس۔۔ نہ وہ دن میری زندگی سے نکلا اور نہ ہی کبھی میں اس دن کو بھول سکوں گا۔

وہ صبح بہت ہی حسین تھی اور میں اپنے گھر کی چھت پر بان کی چارپائی پر آنے والے حالات سے بے خبر سویا ہوا تھا۔ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی امی چھت پر آئیں۔ ان کے قدموں کی آواز میں خواب خرگوش کی نیند میں بھی سن سکتا تھا مگر سستی اور کاہلی تھی یا پھر ہٹ دھرمی میں نے آنکھیں نہ کھولیں۔ سیڑھیوں کے عین سامنے سب سے پہلے میرے بڑے بھائی نزاکت کی چارپائی تھی۔ نزاکت بھائی مجھ سے پندرہ سال بڑے تھے اور میری طرح ہی سفید رنگت کے مالک مگر حسن میں تھوڑے کم درجے کے تھے۔ ایسا میں نہیں بلکہ امی جان کہا کرتی تھیں۔ ایسا وہ مجھے خوش کرنے کے لئے کہتیں یا پھر سچے دل سے؟ میں کبھی سمجھ نہ سکا شاید اس لئے کہ میں ان کا لاڈلہ تھا اور ان کی ہر بات کو سچ مان لیا کرتا تھا۔ انہوں نے نزاکت بھائی کو آواز دی تو وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کھیس کو پینڈیوں میں پھینکتے ہوئے پاؤں کو چپل میں گھسایا۔ اس کے بعد امی ابو کی چارپائی کی طرف بڑھی جو ان کے آواز دینے سے پہلے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ شاید انہیں آج بھی نیند نہیں آئی تھی۔ یہ مسئلہ ان کے ساتھ اکثر رہتا تھا۔ ساری رات آنکھوں میں گزارنا اور پھر سورج طلوع ہوتے ہی نیند کی آغوش میں چلے جانا۔ یہ عادت تھی یا پھر کوئی بیماری؟ ہر کوئی سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے بعد میری باری آتی تھی۔ ان کے قدموں کی چاپ قریب آتی سنائی دی تو میں نے ڈھیٹ بنتے ہوئے چہرہ کھیس میں گھسالیا۔ امی جان مسکرائی تھی اور میں ان کی مسکراہٹ بند آنکھوں سے بھی دیکھ سکتا تھا۔

''اب کوئی نیا بہانہ سوچنا پڑے گا۔ یہ بہانہ نہیں چلے گا۔۔'' امی جان نے پلک جھپکتے ہی کھیس کھینچا اور تہہ لگانا شروع کر دیا اور میں منہ بسورتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا ہے امی۔۔ ابھی تو آدھی رات ہے اور آپ نے ابھی سے اٹھانا شروع کر دیا'' میں بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

''آدھی رات؟ ذرا نیچے جا کر وقت دیکھو۔۔ فجر کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ چلو جا کر نماز پڑھو۔۔''امی جان نے ذرا جھڑکتے ہوئے کہا تو مجبوراً مجھے اٹھنا پڑا لیکن ہمیشہ کی طرح میں سب سے لیٹ تھا۔ نزاکت بھائی سب سے پہلے نیچے جا چکے تھے۔ ابو اور امی بھی کچھ دیر بعد چلے گئے۔ میں ابھی دوبارہ چارپائی پر لیٹنے جا ہی رہا تھا کہ امی کی زوردار آواز ایک بار پھر سماعت سے ٹکرائی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا ہے امی۔۔ آج کے دن بھی۔۔''آنکھیں مسلتا ہوا اٹھا اور نیچے چلا گیا۔ شازیہ بھابھی بھائی کے لئے قمیض استری کر رہی تھیں۔ نازو واش سے ابھی وضو کر کے باہر آئی تھی۔ ابو کمرے سے ٹوپی سر پر پہنتے ہوئے باہر آئے۔ نازو کے باہر آتے ہی نزاکت بھائی واش روم میں گھس گئے اور میں منہ بسوڑ کر کچن کے ساتھ رکھے لکڑی کے تختے پر براجمان ہو گیا

''ابھی تو بھائی جان نے گھنٹہ لگا دینا ہے اور آپ نے مجھے ابھی اٹھا دیا۔۔''عادت سے مجبور میں وہی لیٹنے جا رہا تھا کہ امی جان کا ہاتھ تھا اور میرا کان۔ ان کا لمس آج بھی مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ کاش میں اس دن سمجھ جاتا وہ صبح ان کے ساتھ میری آخری صبح تھی تو میں کبھی انہیں اپنا کان کھینچنے پر منع نہ کرتا۔

''سیدھے طریقے سے اٹھو اور کمرے میں جا کر کپڑے چینج کر کے باہر آؤ۔ تمہارے ابو باہر کھڑے ہیں، نماز کے لئے دیر ہو رہی ہے۔''میں نے منہ بسوڑ کر واش روم کی طرف اشارہ کیا تھا

''نزاکت بچہ نہیں ہے جو اسے مسجد کا راستہ نہیں معلوم۔۔!''امی جان نے مجھے طنزیہ کہا تھا

''بچہ تو میں بھی نہیں ہوں''گردن جھٹک کر کمرے میں گیا اور سفید کرتا پاجامہ پہن کر باہر آ گیا۔ نازو اب نماز کی نیت باندھ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا امی کی آنکھوں کی تابناکی میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ فوراً ہڑبڑاتے ہوئے دہلیز کا رخ کیا۔

نمازِ فجر کے بعد میں ابو اور بھائی کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ آسمان پر سیاہی نے اپنا بوریا بستر اسمیٹ لیا اور روشنی نے اپنے پر پھیلا دیئے۔ گلی کے کچھ فاصلے پر لہراتی کھیتی بادِ نسیم کے سنگ اٹکھیلیاں کرتی دیکھائی دیں۔ راستے میں خالو شبیر نے ابو کو آواز دی۔ خالو شبیر کی مٹھائی کی دکان تھی اور پرانے بزرگوں کی طرح ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ دکان سورج کے نکلنے سے پہلے کھول لی جائے۔ اسی عقیدے پر ایمان لاتے ہوئے وہ آج کے دور میں بھی نماز فجر کے بعد دکان کھول لیا کرتے تھے۔ ابو کے ساتھ میں اور بھائی نزاکت بھی خالو شبیر کی دکان کے پاس گئے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد انہوں نے ایک کیک ابو کے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا کہ خاص ان کے کہنے پر یہ کیک تیار کیا ہے اور ساتھ ہی میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھے سالگیرہ کی مبارک باد دی۔ اتنے میں وہاں سجاد اور شاہد بھائی آموجود ہوئے۔ ساجد میرے بچپن کا دوست تھا اور ہر چھٹی کے دن ہم دونوں گراؤنڈ میں میچ کھیلنے نکل کھڑے ہوتے

تھے۔ اُس دن بھی چونکہ چھٹی تھی لہذا وہ ریت نبھانا فرضِ عین تھا۔ بڑے اپنی باتوں میں مصروف تھے جب ہم دونوں وہاں سے کھسک گئے۔ دکان سے کچھ فاصلے پر ہی ایک بڑا سا کچا میدان تھا۔ جہاں کئی منچلے صبح سویرے ہی آ دھمکے تھے۔ میں اور ساجد اپنے محلے کے لڑکوں کے پاس گئے اور خوب کرکٹ کھیلی۔ مجھے ہمیشہ سے ہی باؤلنگ کا شوق تھا اور اپنی ٹیم کا فاسٹ باؤلر تھا۔ اس لئے جب میری اوور آتی تو مخالف ٹیم پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا کیونکہ اس کی وکٹیں ایسے گرتیں جیسے پت جھڑ کے موسم میں بے جان کاغذ کی مثل پتے۔ میدان کے بائیں جانب ایک سنسان درختوں کا ایک سلسلہ تھا۔ کئی بار حکومتی ٹیمیں ان درختوں کو کاٹنے کے لئے آئیں مگر جانے کیا تھا ان درختوں میں کوئی بھی ٹیم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ کبھی بے موسمی بارش شروع ہو جاتی تو کبھی مشینیں پر اسرار طریقے سے خراب ہو جاتیں۔ ماہر مکینک بھی ان مشینوں میں نقص نکالنے میں ناکام رہتے، اگر کوئی مزدور اس کام کے لئے خریدا جاتا تو عین وقت پر اس پر بھی کوئی نہ کوئی مصیبت آ ٹپکتی۔ میرے سامنے ہی چچا رحمو جو ہمارے علاقے کے مشہور لکڑہارے تھے، حکومتی ٹیم نے انہیں پانچ سو مزدوری کے عوض درخت کاٹنے کا ٹھیکہ دیا تو عین وقت پر ان پر بخار نے ایسا حملہ کیا کہ دو ہفتے بستر سے سر بھی نہ نکالا۔ کہاں پانچ سو کمانے کی دھن تھی اور اب کہاں پانچ سو ایک ایک دن میں دواؤں پر خرچ ہونے لگے۔ بلا آخر حکومتی ٹیم ناکام واپس لوٹی اور ان درختوں کا معاملہ اس علاقے کے رہنے والوں پر چھوڑ دیا۔ یہ سب مجھے اس لئے معلوم تھا کیونکہ ان درختوں کے سلسلے کے ساتھ ہی ہماری زمین تھی۔ بظاہر تھوڑی سی مگر اپنی تھی۔ ابو نے وہاں آم کے درخت لگائے ہوئے تھے اور باقی پر کچھ کھیتیاں۔

میچ کھیلتے کھیلتے معلوم ہی نہ ہوا کہ سورج نے پورے میدان ہو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پسینے کی بوندیں ٹپ ٹپ گرتی جا رہی تھیں۔ ساجد کے کہنے پر اب واپس گھر کی راہ لی لیکن تھکان اس قدر ہو چکی تھی کہ جسم میں کچھ ڈالے بغیر ایک قدم چلنا بھی محال تھا۔ اسی لئے میں ساجد کو اپنی زمین پر لے گیا۔ وہاں کچے آم درختوں کی ٹہنیوں پر دیکھ کر ہمارا دل خود بخود للچانے لگا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو ایک درخت کے نیچے کچھ پتھر نظر آتے۔ میں بنا سوچے سمجھے اس درخت کے پاس گیا اور پتھر اٹھا کر لے آیا۔ ویسے تو ہم دونوں ہی درخت پر چڑھنے کے ماہر تھے مگر جب پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہوں تو ایک ہر کوئی چور دروازہ ہی ڈھونڈتا ہے۔ ہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ ایک نشانہ باندھا اور چھوٹا سا آم زمین پر آ گرا۔ ساجد جھٹ بھاگا اور اسے اٹھا کر پیٹ پوجا میں مصروف ہو گیا۔ دوسرا نشانہ باندھا تو دوسرا آم بھی نیچے آ گرا۔ وہ آم میرے حصے میں آیا۔

''یار یہ آم تو بڑے ہی مزے دار ہیں۔ ان کی چٹنی کتنی مزے کی بنے گی ناں؟'' ساجد نے کہا تو میں نے اگلا نشانہ باندھا اور کچھ آم ساجد کو دے دیے۔ اب میرے بھی دل میں آیا کہ کیوں نا میں کچھ آم گھر لے جاؤں۔ بس یہی سوچ کر میں نے اپنے ہاتھ میں موجود آخری پتھر کو آنکھ کے بالکل سامنے کیا۔ وہ ایک نوکیلا سا پتھر تھا۔ جیسے کوئی تیر ہو۔ ایک موٹا سے تازہ آم پر نشانہ باندھا

اور ہاتھ کو ایک جھٹکے سے ہوا میں لہرایا مگر قسمت کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ وہ پتھر آم کو چھوتے ہوئے پاس سے نکل گیا اور سیدھا ان پراسرار درختوں کے سلسلے پر جا گرا۔ ایک زوردار چیخ سنائی دی جیسے کسی پر جانی حملہ ہوا ہو اور وہ موت کے فرشتے کے چنگل میں آ گیا ہو، وہ چیخ سنتے ہی جیسے ہمارے جسم سے جان ہی نکل گئی۔ ساجد کے ہاتھوں سے وہ آم نیچے گر گئے۔ میرے بھی اوسان خطا ہو چکے تھے۔ وہ آواز تھی ہی اتنی دردناک کہ اڑتے پرندے بھی آواز کے غضب کو نہ سہہ سکے اور نیچے زمین پر آ گرے۔ ہم دونوں نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ گھر پہنچ کر بھی میرا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے میں نے دروازہ بند کیا اور ایک لمحے کے لئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر خود کو سنبھالا۔ پسینے کی بوندیں کسی بپھرے ہوئے بادل کی بوندوں کی طرح گرتی چلی جا رہی تھیں۔ آنکھیں ذرا صحن میں دوڑائیں تو ہر شے کو ویران پایا۔ امی ابو بھائی، بھائی کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ پیشانی پر شکنوں کی نوعیت ذرا تبدیل ہوئی

''امی۔۔۔ ابو۔۔۔'' قدموں میں لڑکھڑاہٹ اب بھی شامل تھی مگر میں اسی نوعیت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا مگر پورا گھر چھان مارا۔ سوائے ویرانی کے کچھ ہاتھ نہ لگا۔ میری پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر تو پہلے سب موجود تھے۔ اتنی جلدی سب کہاں چلے گئے؟ دماغ میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگے۔ برجستہ خیال اس چیخ کی طرف گیا۔ خوف کے پسینے میں اضافہ ہوا۔ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور خود ہی اپنے خیالات کی نفی کی۔ صحن میں بچھی چارپائی پر میں جیسے ہی بیٹھا تو دیوار سے شیخو اپنے گھر کی چھت پر جاتا دکھائی دیا۔

''شیخو، تجھے پتا ہے بھائی اور باقی کے گھر والے کہاں گئے؟'' میرے لفظوں میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

''بھائی نزاکت تو ابھی پوری فیملی کے ساتھ بھابھی کے میکے گئے ہیں۔۔ ابھی ابھی فون آیا تھا کہ بھابھی کی امی سیڑھیوں سے گر کر مر گئی۔'' یہ سن کر ہی جیسے میری جان ہی نکل گئی۔ شیخو تو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا مگر اس کی آواز ایک وقت تک سماعت میں گونجتی رہی۔ بے جان جسم چارپائی پر ڈھیہ سا گیا تھا۔ وہی چیخ ایک بار پھر سماعت سے ٹکرائی تھی۔۔

''یہ مجھ سے کیا ہو گیا؟ وہ درخت۔۔۔ وہ چیخ۔۔۔'' پچھتاوے نے آ گھیرا۔ مٹھیاں بھینچ کر راہ فرار اختیار کرنا چاہی مگر تمام راستے ان درختوں پر جا کر ختم ہوتے تھے۔ تبھی ماضی نے دستک دی اور میں بھاگتا ہوا کمرے میں گیا۔ الماریاں چھان ماریں۔

''وہ کہاں ہیں؟'' کپکپاہٹ پورے جسم پر طاری تھی۔ چیزوں کو اتھل پتھل کرتے ہوئے میں بس وہ تعویز ڈھونڈ رہا تھا جو کہ ان بلاؤں سے ٹال سکتے تھے۔ خدا خدا کر کے مجھے وہ تعویز امی کے کنستر میں ملے۔ میں نے فوراً سے پہلے وہ تعویز اپنی کلائی میں باندھا۔ جو بظاہر ایک سیاہ دھاگا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے مزید جھٹکا لگا کہ امی اور باقی کے گھر والے وہ دھاگا یہیں چھوڑ کر گئے تھے۔

''اب کیا کروں؟'' بنا کچھ سوچے سمجھے میں نے وہ تعویز اٹھائے اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اب بس جلد سے جلد مجھے گھر

والوں کے پاس پہنچنا تھا مگر پیچھے سے گھر کس کے حوالے کرتا؟ شاید وہ مجھے گھر کی دیکھ بھال کے لئے ہی چھوڑ کر گئے تھے مگر اُن سب کی جان کی فکر مجھے کھائے جا رہی تھی۔ یہی سوچتے سوچتے سورج سر پر آن پہنچا اور میرے حلق سے نیچے صبح سے ایک نوالہ بھی نہ اترا تھا۔ میں نے سائے میں چارپائی کھسکائی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایسے میں کب خوابوں کی دنیا میں کھو یا، علم ہی نہ ہوا۔

ایک خنکی کے احساس نے میرے خوابیدہ جسم میں ہلچل مچائی۔ آنکھیں کھلی تو میرے ہوش اڑ گئے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سیاہ بادل آسمان پر اس قدر چھا چکے تھے کہ رات کا گمان ہو رہا تھا۔ سیاہ سورج گرہن کے زیر اثر تھا۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دینے والی ہوائیں دور سے آتی دیکھائی دے رہی تھیں۔ میں ہڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے جسم کا کوئی وزن ہی نہ ہوا۔ پلٹ کر دیکھا تو میری نظریں ساکت رہ گئیں۔ وحشت کے مارے میں پیچھے اچھل پڑا۔ اپنے آپ کو ویسے ہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے پایا۔

"یہ۔۔۔ میں۔۔۔" کبھی انگلی اپنے بے جان جسم کی طرف کرتا تو کبھی اپنی ذات کی طرف۔ میں خود اپنی شناخت نہیں کر پا رہا تھا۔ تبھی زوروں سے بادل گرجا اور میری سماعت کے پردے پھٹنے کے قریب تھا۔ تب یقین آیا کہ یہی سچ ہے۔ بے جان جسم ویسا ہی بے حس و حرکت رہا اور میری جان نکلنے کے قریب تھی۔ میں نے پلٹ کر آسمان کی طرف دیکھا تو سیاہ بادلوں کے بیچ و بیچ سیاہ دھواں نکلتا دیکھائی دیا جو میری طرف ہی بڑھ رہا تھا۔ خوف کے پسینے نے ایک بار پھر میری ذات کو ڈبو دیا۔ میں بھاگتا ہوا گھر سے باہر گیا تو آنکھیں جو دیکھ رہی تھیں انہیں سچ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ ہر طرف سیاہی تھی۔ انسان نام کی کسی شے کا کوئی وجود نہ تھا۔ میں نے اپنے تمام جاننے والوں کو پکارا مگر کسی نے میری پکار کا جواب نہ دیا۔ سیاہ دھواں اب میرے قریب آ چکا تھا۔ اس دھویں کے حصار میں میرا دم گھٹنے لگا۔ کھانسی پر کھانسی آ رہی تھی۔ سانس لینا بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرے نے اپنی سکوت اختیار کرنا چاہی تھی لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور ایک بار پھر پوری قوت کو مجتمع کیا اور وہاں سے میدان کی طرف بھاگا۔ لڑکھڑاتے قدم پتھروں سے ٹکراتے رہے مگر اپنی راہ پر گامزن رہے۔ سماعت شکن چیخیں اور انجانے سائے میرے تعاقب میں تھے۔ آخر کون تھے وہ؟ کیا چاہتے تھے؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں بس بھاگتا جا رہا تھا۔

"رک جاؤ۔۔۔" ایک دلدوز آواز سماعت سے ٹکرائی تو میرے قدم کسی انجانی قوت کے زیر اثر ساکت ہو گئے۔ میں نے لاکھ ہلنا چاہا مگر وہ تو جیسے پتھر تھے۔ پلٹ کر دیکھا تو سامنے ایک بڑا سا ہیولہ پایا، جو شاید کسی ہاتھی سے مشابہہ تھا مگر قد تو جیسے آسمان کو چھو رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی۔ میں نے ایک بار پھر اپنے پوری طاقت سے قدم اٹھائے اور دو قدم ہی چلا تھا کہ مجھ سے اپنا وزن اٹھانا بھی محال ہو گیا اور میں منہ کے بل زمین پر آ گرا۔ وہی سماعت شکن ہنسی سنائی دی۔ میں نے جیسے ہی اپنا سر اٹھایا تو

دوسرا ہیولہ دیکھائی دیا مگر اس بار وہ کسی زرافے کی مانند تھا۔ آنکھوں سے انگارے اگل رہے تھے۔ میں کلیجہ منہ کو آ گیا۔ میں نے ایک بار پھر اٹھنا چاہا مگر اٹھا نہ گیا۔

''کوئی نہیں بچے گا۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔'' اس کے ساتھ ہی وہ ہیولہ میرے قریب آنے لگا۔ اتنا قریب کے میرے اور اس کے درمیان کا فاصلہ بمشکل ایک بالشت رہ گیا۔ پھر جو منظر میں نے دیکھا وہ دیکھ کر تو جیسے ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ ہیولہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ رنگ بدل رہا تھا۔ کبھی شیر کا روپ دھاڑ تا تو کبھی کسی خونخار بھیڑیے کا، کبھی عقاب کی مانند دیکھائی دیتا تو کبھی معمولی سی چیونٹی میں اپنی وحشت بکھیر تا۔ ایک منٹ میں اُس نے نہ جانے کتنے روپ بدلے تھے۔ میں تو ان کا شمار بھی نہ کر سکا۔

''ک ک کون ہو تم؟'' میری آواز میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔ آنکھوں میں آنسو، میری بے بسی کو ظاہر کر رہے تھے۔ اٹھنا چاہا مگر اٹھا نہ گیا۔ موت تو جیسے میرے سر پر چڑ کر ناچ رہی تھی۔

''یو ٹی۔۔۔!!'' کان کے بالکل قریب ایک آواز سنائی دی اس کے ساتھ ہی وہ ہیولہ میرے جسم میں داخل ہوتا چلا گیا۔ سانس تو جیسے ہر لمحہ بند ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے سیاہ تارے دیکھائی دیے جن سے روشنی کی امید کرنا بے کار تھا۔ ہاتھ بے سود زمین پر آ گرے۔ پورا جسم بے آب ماہی کی مانند تڑپ اٹھا مگر پھر جیسے کوئی معجزہ ہوا۔ وہ ہیولہ ایک چیخ کے ساتھ ہی میرے جسم سے باہر نکلتا دیکھائی دیا۔ جیسے کسی انجانی طاقت نے اسے کھینچ کر تحت الثریٰ (زمین کے انتہائی اندرونی حصے) سے باہر نکالا ہو۔ اس کا کرب میرے کرب سے انتہائی شدید تھا۔ حالت میری بھی ناگزیر تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ابھی زمین پھٹے اور میں اس میں دھنس جاؤں مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ کرب بڑھتا گیا تو میں نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ وہاں ایک دیو ہیکل اژدھا تھا۔ جسے دیکھ کر میری سانسیں اٹک گئیں۔ کسی پرانے بوہڑ کے درخت کی مثل موٹائی اور لمبائی کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ قریب تھا کہ میں غشی کھا کر دوبارہ خواب غفلت کی نیند سو جاتا مگر اس کی پھنکار تو جیسے میرے لئے عذاب کی مانند تھی۔

''ک ک کون ہو تم؟'' ایک ہی سوال میرے خالی الذہن میں کھٹک رہا تھا۔

''یُو ٹی۔۔۔'' وہی جواب سماعت سے ٹکرایا۔ اس بار مبہم سا وجود ذرا صاف دیکھائی دیا۔ وہ واژدھا نما جانور خشک چھال پر مبنی تھا۔ جس کی آنکھیں اپنے اندر کسی لاوے کو سمیٹے ہوئے تھی۔ جس کی سانسیں سورج کی تپش سے بھی زیادہ حدت رکھتی تھیں۔ وہ مجھے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو؟ آخر کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟'' میں نے گلوگیر لہجے میں اپنا قصور ثابت کرنا چاہا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک جہاں آباد تھا

''کیا بگاڑا ہے تم نے؟ میرے جیون ساتھی کو چھین کر بھی تم یہ پوچھتے ہو تم؟'' اس کی آواز میں انتہا کا غضب تھا۔ ایک پھنکار

کا چھینٹا میری آنکھوں میں گیا تو میرے پورے بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ تیزاب کی مانند میرا جسم جھلسنے لگا تھا۔

''آہ۔۔۔'' آنکھوں میں انتہا کی جلن تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے گرم گرم تیل ان میں انڈیل دیا گیا ہو۔

''صرف چند گھڑیاں۔۔۔ چند گھڑیاں بقایا تھیں اس کی۔۔۔ ان گھڑیوں کے بعد ہم دونوں اپنی زندگی کے ایک ہزار سال مکمل کر لیتے مگر تم نے اسے آخری لمحے مار ڈالا۔۔۔'' کسی کے کھو جانے کا غم اگرچہ اس کے لہجے سے چھلک رہا تھا مگر بدلے کی آگ اس کے اندر کسی آتش فشاں کی دہک رہی تھی۔

''اب میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گی۔۔۔ تم سے تمہارے اپنوں کو چھین لوں گی۔۔ چھین لوں گی۔۔۔'' یہ کہتے ہی وہ دھواں چھٹتا دکھائی دیا اور وہ یُوحی نامی اژدھا بھی غائب ہو گیا۔ میں چیختا چلاتا رہا مگر کوئی میری آواز سن کر نہ آیا۔ میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو کسی پتھر سے ٹھوکر لگنے سے نیچے آ گرا۔

''امی۔۔!!'' یک دم میں ہڑبڑاتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ پورا وجود پسینے سے شرابور تھا۔ شام کی سرخی نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ پرندے بھی دن بھر کی تھکان کو مٹانے اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف چل دیئے۔

''اس کا مطلب وہ خواب تھا۔۔ لیکن اتنا بھیانک خواب۔۔ کیا وہ سچ میں ایک خواب ہی تھا؟'' میں بڑبڑایا اور ساتھ ہی چارپائی سے کھڑا ہو کر غسل خانے کی طرف بڑھا۔ اپنے منہ پر پانی کی چھپکے مارے تاکہ خوف کو دبایا جا سکے پر وہ تو میرے پورے وجود کو اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ منہ دھوتے ہوئے میری نظر جیسے ہی ہاتھوں کی طرف گئی تو حقیقت عیاں ہو گئی۔

''خون۔۔۔'' پیشانی کا خون ہاتھوں پر لگا تھا۔ آئینے میں دیکھا تو خون کی ایک لکیر تھی

''اس کا مطلب وہ خواب بھی حقیقت تھا۔۔۔'' میرا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ سچ و جھوٹ کی دنیا میں بری طرح الجھ چکا تھا۔ کلائی میں بندھے دھاگے پر نگاہ گئی تو سب کچھ عیاں ہو گیا۔ ڈوری سے ڈوری سلجھتی چلی گئی۔

''یہ کچھ تعویز ہیں۔ انہیں اپنی کلائیوں میں باندھ لیجیے گا۔ یہ درختوں کا سلسلہ خدا کے فضل و کرم سے آپ کو یا آپ کے خاندان کے کسی بھی فرد کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' فقیر بابا کے الفاظ گونجے۔

''یعنی اس تعویز کی کرامت نے مجھے بچا لیا۔۔۔ لیکن باقی کے گھر والے۔۔'' اگلے ہی لمحے چاروں اطراف سے مایوسی کے لشکر نے آ گھیرا۔ گھر میں سے کسی کو کانوں کان خبر تک نہ تھی کہ ان پر موت کا سایہ منڈلا رہا ہے۔

''مجھے جلد سے جلد امی ابو کو ان سب کے بارے میں بتانا ہو گا۔۔'' معجل گھر سے نکلا اور چوراہے کی طرف چل دیا۔ شام تیزی سے سمٹتی جا رہی تھی۔ اندھیرے نے اپنے پر پھیلانے شروع کر دیئے۔ سارا دن بھوکا پیاسا رہنے کے سبب نقاہت محسوس ہو رہی تھی مگر اپنوں کا غم سب پر بھاری تھا۔ بس اسی لئے آگے بڑھتا رہا۔ لہلہاتی کھیتیاں ہوا کے سنگ مجھ پر ہنستی دکھائی دے رہی

تھیں۔ کچی مٹی پر بکھرے پتھر پاؤں میں دھنستے جا رہے تھے۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ پتھر نہیں بلکہ کیلیں ہوں جو میری راہ میں بچھا دی گئی ہوں۔ پاؤں لہولہان تھے مگر آنکھیں آگے مرکوز تھیں۔ سورج کی آخری کرن بھی سمٹ گئی۔ رات پوری طرح میرے وجود کو اپنے حصار میں لے چکی تھی۔ سواری کے لئے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔

''کوئی ہے؟''میں چیخا مگر آواز پلٹ آئی۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ذرا ستایا مگر وقت آرام کرنے کا نہیں تھا۔ یک دم مجھے اپنی پشت پر کسی ہاتھ کا احساس ہوا۔ میں برجستہ پلٹا تو وہاں بھائی تھے۔

''بھبھ بھائی۔۔۔''میں بڑبڑایا۔

''تم؟ اس وقت یہاں؟''بھائی مجھے رات کے اس پہر بیچ راستے میں دیکھ کر حیران تھے۔ میں نے سب کچھ بتانے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ بھائی کی پیشانی پر بھی شکنیں ابھر آئیں۔ پہلے تو مجھے جھڑکنے کے لئے لب ہلائیں مگر یہ وقت غصہ کرنے کا نہیں تھا۔

''بھائی۔۔ یہ۔۔۔ دھاگا۔۔''میں نے ایک دھاگا آگے بڑھایا تو بھائی نے بھی ہاتھ سے پکڑنے کی کوشش کی مگر وقت گزر چکا تھا۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس دھاگے کو اڑا کر لے گیا۔ ہم دونوں کے ہوش اڑ گئے۔ یک دم وہی جھونکا پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ چلا اور بھائی کے سینے پر زبردست وار کیا۔ بھائی پیچھے درخت سے جا ٹکرائے

''بھائی۔۔۔!!''میں تو اپنے حواس جیسے کھو ہی چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھتا ایک حیوانی عکس میرے اور بھائی کے درمیان آ گیا۔

''سب سے پہلے یہ مرے گا۔۔''ایک بھدی سی آواز نے میرے جسم سے جیسے جان ہی نکال دی تھی۔ بھائی ابھی تک درخت سے لگنے والی چوٹ کی اذیت میں تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس عکس نے اپنا بائیاں پاؤں آگے بڑھایا اور بھائی کے سینے میں اتار دیا۔ بھائی کی دلدوز چیخ میری سماعت کو سن کر چکی تھی اور چند لمحوں میں ہی ان کا بے جان جسم میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

''بھائی۔۔۔!!!''آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے چلے گئے مگر اس اندھیر رات میں کوئی بھی انہیں پونچھنے والا نہ تھا۔ وہ عکس پلٹا تو وہی انگارا برساتی آنکھیں سامنے تھیں

''ابھی تو موت کا کھیل شروع ہوا ہے۔۔۔''شیطانی مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی اور فضا میں خاموشی چھا گئی۔ بھائی کی جانب دیکھا تو ان کا جسم ہوا میں تحلیل ہوتا چلا گیا۔ میں بھاگتا ہوا ان کے پاس گیا

''بھائی۔۔۔ آنکھیں کھولو۔۔۔ بھائی۔۔۔''ان کے چہرے کو تھپتھپاتے ہوئے کئی لمحے بیت چکے تھے مگر انہیں ہوش نہ آیا۔

روح ان کے جسم کو الوالداع کہہ چکی تھی۔ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیار کرنے والے بھائی، ایک لمحے میں مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر رخصت ہو چکے تھے۔ دل اس بات کو ماننے سے انکاری تھا۔ بھائی کا پورا جسم ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس یُوحٔی نے بھائی کے جسم تک کو نہ چھوڑا اور اسے بھی مٹی کر دیا۔

''امی۔۔ ابو۔۔۔''یک دم مجھے ہوش آیا۔ میں بنا آنسو پونچھے اٹھا اور اس راستے کی طرف دیکھا جو سیدھا شازیہ بھابھی کے میکے جاتا تھا،

''مجھے جا کر باقیوں کو بچانا ہو گا۔۔۔''میں آگے بڑھا تو جیسے مصیبتیں بڑھتی چلی گئیں۔ کبھی کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر جاتا تو کبھی کسی جھاڑی میں بری طرح الجھ کر رہ جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا جہاں کی ہر شے میرے مخالف ہو اور میری راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کر رہی ہے۔

خدا خدا کر کے میں شازیہ بھابھی کے میکے پہنچا۔ وہ ایک بڑی حویلی تھی۔ جسے بنے تقریباً پانچ دہائیاں گزر چکی تھیں۔ میں نے گیٹ کھٹکایا تو وہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ میرا حلق خشک ہونے لگا مگر جو میں دیکھ چکا تھا۔ ان سب کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہ تھا۔ میں آگے بڑھا تو دائیں جانب ایک بڑا سا لان دیکھا جہاں مختلف پودے لگے تھے۔ تاریکی نے ان کو بھی اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا۔ میں دھیرے سے آگے بڑھا تو انتہائی دائیں جانب دیوار کے ساتھ ایک عکس کا گمان ہوا۔

''کک کون ہے وہاں؟ میں نے پوچھا کون ہے وہاں؟''میں ہانپتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا جبکہ وہ وجود استادہ تھا۔ سانس بھی جیسے ساکن تھی۔ وحشت سے میری جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی مگر میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور دھیرے سے اس کے شانوں کو چھوا تو وہ وجود پلٹا اور میں اچھل کر پیچھے جا گرا۔ اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔ انسانوں کا سا دھڑ لئے وہاں اژدھا کے سر والا وجود تھا۔ آنکھیں خون کی طرح سرخ اور زبان درمیان سے کٹی ہوئی۔

''کس کس کو بچاؤ گے تم؟ سب مرو گے۔۔۔ کوئی نہیں بچے گا۔۔۔ تم بھی مرو گے۔۔۔ یُوحٔی سے آج تک نہ کوئی بچ پایا ہے اور نہ ہی کوئی بچ پائے گا''اس کی بھدی آواز میری سماعت میں زہر گھول رہی تھی۔ دل چاہا کہ اپنے کانوں کو بند کر دوں تا کہ اذیت سے چھٹکارا مل جائے مگر ایسا کچھ نہ ہو سکا۔ وہ میرے سامنے کھڑا مجھے ایک اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

''خدا کے لئے۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ آخر میری فیملی نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''میں گڑگڑاتے ہوئے رحم کی بھیگ مانگ رہا تھا

''بگاڑا تو میرے ساتھی نے بھی کچھ نہیں تھا۔۔۔ پھر کیوں تم نے اسے مار ڈالا؟''یک دم اس کی آواز میں بچھڑن کی کسک ابھری۔ وہ وجود کسی لڑکی سے مشابہہ دکھائی دیا۔

''ہم اژدھوں کا یہ قانون ہے جو اژدھا اپنی زندگی کے ایک ہزار سال مکمل کرلے تو وہ کسی بھی جاندار کا وجود لے سکتا ہے اور جو اژدھا ایسا کرلے اسے یُو ٹی کہتے ہیں۔ بس میں نے اور میرے ساتھی نے یہ قسم کھائی تھی کہ ہم اپنی زندگی کے ایک ہزار سال مکمل کرنے کے بعد انسانی روپ دھاڑیں گے اور پھر ایک دوسرے سے شادی کریں گے اور آج زوال کا وقت شروع ہوتے ہی ہم دونوں اپنی زندگی کی ہزار بہاریں مکمل کرلیتے مگر تم نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ پتھر سے میرے جیون ساتھی کو قبل از ہزار سال کا ہونے سے مار ڈالا۔۔۔''اس نے اپنی آپ بیتی سنائی۔

''اور اب میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گی۔۔۔یُو ٹی اپنی زندگی برباد کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔''بجلی کی سی کڑک فضا میں گونجی اور وہ جود غائب ہو گیا۔ میں ہوا میں اسے تلاش کرتا اور پاگلوں کی طرح اس سے اپنے کئے کی معافی مانگتا رہا۔

''بھائی۔۔۔''نازو کی آواز پر میں پلٹا تو وہ حیران و پریشان مجھے دیکھ رہی تھی۔

''نازو۔ تُو ٹھیک تو ہے ناں؟ امی ابو۔۔۔ بھابھی۔۔ سب ٹھیک ہے ناں؟''میں اس کے بالوں، چہروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنا ڈر دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا

''بھائی۔۔۔ بھائی۔۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کو کیا ہوا ہے؟ اور آپ اس وقت یہاں؟''میرے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا

''باقی باتیں بعد میں پہلے یہ دھاگا باندھ۔۔۔''میں نے جھٹ اس کی کلائی میں دھاگا باندھ دیا۔ تا کہ نازو کو تو اس یُو ٹی کے مکر سے بچایا جاسکے۔ میں نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کی کلائی میں دھاگا باندھا اور پھر اس سے امی ابو کا پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ابو تو ابھی چھت پر گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں گھٹنوں کے بل سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا۔ یک دم ایک چیخ کی آواز سنائی دی اور چھت سے ایک جسم نیچے گرتا دیکھائی دیا۔

''ابو۔۔''نازو چیخی۔ وہ واقعی ابو تھے۔ زمین پر گرتے ہی ان کا پورا جسم خون میں نہا گیا۔ میں نے اوپر کی جانب دیکھا تو ایک شیر کا عکس دیکھائی دیا۔ یعنی یوحی اپنا کام کر چکا تھا۔ نازو روتے ہوئے آگے بڑھی۔ تمام حویلی والے وہاں آموجود ہوئے۔ امی، اور بھابھی بھی وہاں آموجود ہوئے تھے۔ امی تو ابو کو خون میں لت پت دیکھ کر بے ہوش ہو گئیں۔ بھابھی جلدی سے پانی لینے کچن میں گئیں اور تبھی دوبارہ چیخ سنائی دی اور آگ کی لپٹیں کچن سے ابھرنے لگی۔ پوری حویلی میں جیسے قہرام مچ گیا۔ بھابھی کی چیخیں سن کر سب ان کی طرف لپکے اور میں نے ایک بار پھر کچن سے ایک جانور کا عکس نکلتا دیکھا۔ نازو ابھی تک امی کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''امی۔۔۔''یک دم مجھے احساس ہوا کہ امی اس دھاگے کے بغیر ہیں۔ میں بھاگتا ہوا امی کے پاس گیا مگر ایک بار پھر قسمت بازی لے گئی اور میں ہار گیا۔ آسمان سے ایک عقاب آیا پنجوں سے انہیں چیرتا ہوا چلا گیا۔ میں تو جیسے زندہ لاش بن چکا تھا۔ نازو بھی بری طرح چلائی تھی۔ ہیجانی کیفیت میں امی کو جھنجوڑتی رہی مگر وہ بھی اس لافانی دنیا کو الوالدع کہہ چکی تھیں۔ اب میں اور نازو باقی بچے تھے۔ کچھ لوگ آگے بڑھے اور نازو کی ہیجانی کیفیت کو دیکھ کر اس کو روکنا چاہا مگر وہ اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی جبکہ میں سکتے میں تھا۔ آنسو تک خشک ہو چکے تھے۔ نازو کو روکتے ہوئے کسی کا ہاتھ دھاگے میں الجھا اور وہ دھاگا بھی نازو کی کلائی سے نکل گیا، مگر میرا دھیان نہ گیا۔ میں تو بس اپنے اجڑے خاندان کا ماتم منا رہا تھا۔ کہاں آج کا دن خوشیاں منانا چاہی تھیں اور کہاں ماتم میری تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ظلمت چاروں اور بری طرح چھا چکا تھا۔ تبھی سب نے دیکھا کہ سامنے ایک سانپ نمودار ہوا جو کسی بھی طرح عام سانپ سے بڑا تھا۔

''سانپ۔۔۔''ہر کوئی چلایا مگر نازو کو کوئی اثر نہ ہوا۔ سب اپنی جان بچانے کی خاطر دوڑے مگر ہم دونوں اپنی جگہ پر ساکت رہے۔ مجھے ڈھارس بندھی ہوئی کہ جب تک وہ دھاگہ نازو کے ہاتھ میں ہے تب تک وہ اسے نقصان نہیں پہنا سکتی مگر مجھے کیا علم تھا وہ دھاگا تو کب کا علیحدہ ہو چکا ہے۔ وہ سانپ رینگتا ہوا نازو کی طرف بڑھا اور اپنا منہ کسی شیر کی مانند کھولا۔ بدبو کا ایک بھبوکا اٹھا۔ سب کے لئے سانس لینا بھی دشوار ہو چکا تھا۔

''نازو۔۔۔''اس سے پہلے کہ میں نازو کو بچا پاتا۔ اس یوحی نے اپنے بدلے کا زہر میری ننھی نازو کے جسم میں اتار دیا۔ ایک سیکنڈ میں اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا اور تڑپ تڑپ کر اس نے بھی اپنی جان دے دی۔''

☆ ☆ ☆

ماضی کو یاد کرتے ہوئے آج بھی ایم اے توقیر کی آنکھیں پر نم تھیں۔ عالیہ بھی ایم اے کی درد بھری داستان سن کر اپنی آنکھوں پر ضبط نہ رکھ سکی۔ قلم جانے کب میں کو ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا اور پیپر پر آنسو کے چند قطرے بکھرے پڑے تھے۔ ایم نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ایک انجانے میں ہوئی غلطی نے مجھے میرے اپنوں سے جدا کر دیا۔۔۔ میری جان سے پیاری فیملی کو مجھ سے چھین لیا۔۔۔ بس تبھی۔۔۔ میں نے اپنے آپ سے عہد کر لیا تھا کہ میں اپنوں کی موت کا بدلہ لے کر رہوں گا۔۔۔ اگر وہ یوحی ہے تو میں بھی ایم اے توقیر ہوں۔ اگر وہ میری انجانے میں کی گئی غلطی کو معاف نہیں کر سکی تو میں اس کے جان بوجھ کر کئے گئے گناہ کو کیوں معاف کروں؟ نہیں چھوڑوں گا میں اس یُوحٰی کو۔۔۔''وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اپی رولنگ چئیر سے کھڑا ہوا۔

''تو اس لئے آپ نے اس ماورائی دنیا میں قدم رکھا۔۔۔''عالیہ کے اس سوال پر خاموش رہا، جس کا مطلب وہ اچھے سے سمجھ

گئی۔

''تو کیا پھر کبھی آپ کا اُس سے سامنا ہوا؟''اس سوال پر وہ پلٹا۔ آنکھوں کی حدت جواب دے گئی تھی

''لیکن وہ وقت دور نہیں۔۔۔ جب باقی پراسرار جانوروں کی طرح وہ یُوٹی بھی میرے پاس قید ہو گی۔۔ میری شیشی میں۔۔۔''اس نے الماری کی جانب دیکھا جہاں ایک خالی شیشی تھی۔ جس پر کوئی سٹیکر آویزاں نہ تھا۔

''بس اب خیال رکھنا۔۔ اگر تمہیں یوٹی ملے تو مجھے خبر ضرور کرنا۔۔۔''اس نے گھمبیر لہجے میں کہا تھا۔

''جی بالکل۔۔۔ بلکہ میں اپنے پڑھنے والوں کو بھی تلقین کرونگی کہ اگر انہیں یُوٹی کے بارے کچھ بھی علم ہو تو وہ آپ سے رابطہ کریں۔ ٹھیک ہے ناں؟''عالیہ نے پرجوش لہجے میں کہا تھا جبکہ وہ خاموش رہا۔ شاید یادوں میں ابھی بھی بری طرح الجھا ہوا تھا۔

''بس ایک بار۔۔ ایک بار تم میرے سامنے آجاؤ یُوٹی۔۔۔ چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔''اس نے انتہائی حقارت کے ساتھ کہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆